مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

سرکاری مالیات اور بیت المال

زکوٰۃ اور ٹیکس میں فرق

عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ زکوٰۃ اور ٹیکس ایک ہی چیز ہے۔ حالانکہ ان دونوں کے مقاصد، محاصل، مصارف، نتائج اور مزاج کسی ایک چیز میں بھی مماثلت نہیں ہے۔ بلکہ دونوں ایک دوسرے کی مخالف سمت میں چلتے ہیں۔ ان دونوں کے فرق کو ذرا تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے :

مقصد کے لحاظ سے فرق :

ٹیکس لگانے کا مقصد عوام کی آمدنی کا ایک حصہ لے کر اس سے نظامِ حکومت چلانا، رفاہِ عامہ کے کام کرنا اور ملکی ضروریات کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ جبکہ زکوٰۃ کا بنیادی مقصد تطہیرِ مال اور تزکیۂ نفس ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے :

"خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها وصل عليهم ان صلوٰتك سكن لهم" (۹/۱۰۳)

"آپ ان (امراء) کے اموال سے زکوٰۃ وصول کیجئے، ان کے اموال کو پاک کیجئے اور ان کا تزکیۂ نفس کیجئے اور ان کے حق میں دعائے خیر کیجئے۔ بیشک آپ کی دعا ان کیلئے باعثِ تسکین ہے!"

اس آیت میں زکوٰۃ کے دو بنیادی مقاصد بیان کئے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ کمائی میں جو کوتاہیاں اور لغزشیں، نادانستہ طور پر ہو جاتی ہیں، صدقہ کی وجہ سے خدا تعالیٰ یہ کوتاہیاں معاف فرما دیتے ہیں اور یہ کمائی پاک و طیب ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"اے گروہِ تاجران! سودا بازی میں بہت سی بیہودہ باتیں اور قسمیں شامل ہو جاتی ہیں۔ سو تم خرید و فروخت کے ساتھ ساتھ صدقہ بھی کیا کرو"

اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مال کی محبت سے پیدا ہونے والی اخلاقی بیماریوں کے جراثیم . . . سے انسان کا دل پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ زکوٰۃ پہلی امتوں پر بھی فرض کی گئی تھی۔ ان امتوں کے اموالِ زکوٰۃ، . . .

خیرات، نذر و نیاز ایک جگہ جمع کر دیے جاتے۔ رات کو آسمان سے آگ آتی جو اس مال کو بھسم کر جاتی تھی اور یہ اس مالی قربانی کی قبولیت کی دلیل ہوتی تھی۔

زکوٰۃ کے ذریعہ غریب عنصر کی پرورش زکوٰۃ کا ضمنی فائدہ ہے۔ مقاصد وہی دو ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائے ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے امتِ محمدیہ کو غنیمت اور زکوٰۃ کے اموال معاشی بہبود کے لئے استعمال کی اجازت دی ہے۔

محاصل کے لحاظ سے فرق:

اسلامی نقطۂ نظر سے معاشرہ کو معاشی لحاظ سے صرف دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) ایک وہ جن سے زکوٰۃ وصول کی جائیگی۔ یہ لوگ اہلِ نصاب یا غنی ہیں۔

(۲) دوسرے وہ جن میں زکوٰۃ تقسیم ہوگی۔ یہ لوگ فقراء ہیں۔

اصول یہ ہے کہ اہلِ نصاب پر زکوٰۃ کا مال خرچ نہیں کیا جاسکتا، ان سے صرف لیا جاتا ہے۔ گویا زکوٰۃ کا مال امراء کی جیب سے نکلتا ہے۔ ہماری حکومت کی مجموعی آمدنی کا ۷۵ فیصد حصہ صرف ٹیکسوں سے وصول ہوتا ہے۔ یہ ٹیکس دو طرح کے ہوتے ہیں۔

(الف) بلاواسطہ یا براہِ راست ٹیکس۔ جیسے انکم ٹیکس، پراپرٹی ٹیکس، دولت ٹیکس وغیرہ۔ یہ امراء سے وصول کئے جاتے ہیں۔ ۱۹۷۵-۷۶ء کے حکومت کے مالی بجٹ کے مطابق ان ٹیکسوں سے صرف 3. 12 فیصد آمدنی ہوئی۔

(ب) بالواسطہ ٹیکس۔ یہ وہ ٹیکس ہیں جو ادا تو تاجر یا صنعتکار کرتے ہیں۔ لیکن یہ ٹیکس قیمت فروخت میں شامل کرکے اس کا بوجھ صارفین پر ڈال دیتے ہیں جیسے سیلز ٹیکس، ایکسائز ڈیوٹی وغیرہ جو چینی، سیمنٹ، سریا، سوتی کپڑا اور دیگر بے شمار اشیاء پر لگاتے ہیں۔ ان ٹیکسوں سے ٹیکسوں کی کل آمدنی کا 87.7 ٪ آمدنی ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ سرمایہ داری نظامِ معیشت میں صارفین کا زیادہ حصہ غرباء پر مشتمل ہوتا ہے لہٰذا ٹیکسوں کا بوجھ زیادہ تر غریب طبقہ ہی برداشت کرتا ہے۔

مصارف میں فرق:

زکوٰۃ کے مصارف مقررہ اصول "تؤخذ من اغنیاءھم وترد الی فقراءھم" (بخاری مسلم) یعنی زکوٰۃ قوم کے اغنیاء سے وصول کی جائے گی اور فقراء کو لوٹائی جائیگی، کے مطابق بالکل واضح ہیں کہ یہ فقراء کی بنیادی ضروریات پر خرچ ہوگی۔

اس کے برعکس ٹیکس نظم ونسق چلانے، ملکی ضروریات کو پورا کرنے اور رفاہِ عامہ کے کاموں پر خرچ ہوتے

ہیں۔ گو یہ سب کے لئے مشترکہ ہیں لیکن عملاً امیر طبقہ ہی ان سے زیادہ مفاد حاصل کرتا ہے۔ مثلاً اعلیٰ تعلیم کا حصول یا حصولِ انصاف غریب کے بس کا روگ نہیں۔ اس طرح اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ امیر طبقہ اپنے اثر اور وسائل کی بنا پر ہر چیز سے زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ گویا ٹیکس کی رقم جس کا زیادہ حصہ غریب کی جیب سے نکلا اس سے امیر زیادہ فائدہ اٹھا گیا۔

نتائج اور مزاج میں فرق:

علاوہ ازیں مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر زکوٰۃ ٹیکس سے ممتاز ہے:

۱۔ عام ٹیکس عموماً آمدنی پر لگائے جاتے ہیں۔ جمع شدہ مال پر نہیں لگائے جاتے۔ اس نظام ٹیکس سے دولت جمع کرنے کی ہوس بڑھتی ہے اور اگر یہ دولت یا اس کا کچھ حصہ بیکار پڑا رہے تو ملک کی معیشت میں کساد بازاری کا رجحان پیدا کر دیتی ہے۔ جبکہ زکوٰۃ بچت پر عائد ہوتی ہے (سوائے زرعی اجناس کے) اس سے اندوختہ کاری کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور سرمایہ حرکت میں رہتا ہے جس سے معیشت پر اچھا اثر پڑتا ہے۔

۲۔ زکوٰۃ بچت پر لگتی ہے۔ اس نظام میں کسی فرد کی ضرورتوں اور اخراجات کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ جبکہ عام ٹیکس آمدنی پر لگتے ہیں۔ اور کسی فرد کے اخراجات کی زیادتی یا کمی کا لحاظ نہیں رکھا جاتا جو کہ ناانصافی پر مبنی ہے —— فرض کیجئے کہ زید اور بکر دونوں ایک ایک ہزار روپیہ تنخواہ لیتے ہیں۔ زید ابھی غیر شادی شدہ ہے اور وہ بآسانی سات سو روپیہ ماہوار پس انداز کر لیتا ہے۔ جبکہ بکر کے پانچ چھ بچے بھی ہیں اور بمشکل گزر بسر کرتا ہے تو ٹیکس ان کے اس امتیاز میں کوئی فرق نہیں کریگا۔

۳۔ عام ٹیکس حکومت مفادِ عامہ کے . . . . ترقیاتی منصوبوں پر خرچ کرتی ہے۔ جبکہ زکوٰۃ صرف ضرورت مندوں پر خرچ کی جاتی ہے۔ جس سے ان میں قوتِ خرید بڑھتی ہے اور اس طرح ملک کی پیداوار اور روزگار میں ترقی ہوتی ہے۔

۴۔ ٹیکس کو ایک بوجھ تصور کیا جاتا ہے۔ ٹیکس دہندہ بھی پوری مالیت ظاہر نہیں ہونے دیتے اور ٹیکس وصول کرنے والے بھی رشوت لے کر خود ٹیکس چوری کی راہیں پیدا کر دیتے ہیں۔ ان دو وجوہات کی بنا پر حکومت کو متوقع رقم کا نصف بھی حاصل نہیں ہوتا۔ جبکہ زکوٰۃ ایک دینی فریضہ اور مالی عبادت ہے جسے ایک مسلمان بخوشی ادا کر دینے میں ہی سعادت سمجھتا ہے۔

اندریں حالات زکوٰۃ کو ٹیکس قرار دینا مہمل سی بات ہے۔

زکوٰۃ کے نصاب اور شرح میں تبدیلی:

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو چیزیں محل نصاب قرار دی ہیں،

اور جو شرح زکوٰۃ مقرر فرمائی ہے، یہ تعیین فقط عہدِ نبوی کیلئے تھی جبکہ ملکی اور قومی ضروریات محدود تھیں۔ آجکل حکومتیں بہت سی ذمہ داریاں اپنے سر لے لیتی ہیں جن پر کثیر مصارف اٹھتے ہیں۔ لہٰذا عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق ایک اسلامی حکومت اس معینہ شرح میں اضافہ کا حق رکھتی ہے۔ نیز نئے ٹیکس بھی عائد کر سکتی ہے۔

اس سفارش کے تین پہلو ہیں:

۱۔ کیا شرح زکوٰۃ میں تبدیلی یا اضافہ کا حق کسی کو دیا جاسکتا ہے؟

۲۔ زکوٰۃ کے اصل نصاب کے علاوہ دوسرے محل نصاب تجویز کئے یا نئے ٹیکس عائد کئے جا سکتے ہیں؟

۳۔ کیا فی الواقع ایسی مجبوری درپیش ہے جس سے زکوٰۃ کی شرح میں تبدیلی ناگزیر ہو چکی ہے؟

شرح زکوٰۃ میں تبدیلی کا حق:

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ:

۱۔ امراء کے اموال میں زکوٰۃ کا حصہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں بلکہ خود خدا تعالیٰ نے مقرر کیا ہے، ارشاد باری ہے:

"وفی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم"

"ان امراء کے مال میں غرباء، مانگنے اور نہ مانگنے والوں کا حصہ مقرر ہے"

۲۔ جن چیزوں پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے وہ بھی خود اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دی ہیں، مثلاً:

(ا) نقدی، سونا، چاندی وغیرہ: "والذین یکنزون الذھب والفضۃ . . . لھم عذاب الیم" (۹/۳۵)

(ب) زرعی پیداوار: "کلوا من ثمرہ اذا اثمر وآتوا حقہ یوم حصادہ" (۶/۱۴۱)

(ج) اموالِ تجارت اور مویشی: "یا ایھا الذین آمنوا انفقوا . . . . کسبتم" (۲/۲۶۷)

(د) معادن یا دفینوں پر: "ومما اخرجنا لکم من الارض" (ایضاً)

۳۔ مصارف بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں، خود خدا تعالیٰ نے مقرر فرمائے: "انما الصدقات . . ." (۹/۶۰)

۴۔ مقررہ حصہ یا "حق معلوم" کی جو شرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمائی وہ بھی اپنی مرضی سے نہیں فرمائی، اس کی مثال ایسی ہے جیسے قرآن مجید میں محض نماز کی ادائیگی کا حکم ہے۔ نماز کے اوقات، رکعات اور ترکیب وغیرہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی۔ یہ اپنی مرضی سے نہ تھی بلکہ خدا تعالیٰ کی منشا اور ہدایات کے مطابق تھی۔ شریعت کے دوسرے احکام کے متعلق آپؐ نے اتنی احتیاط کبھی نہ فرمائی جتنی زکوٰۃ کی شرح کے متعلق فرمائی۔ یہ ہدایات آپؐ تحریراً صوبوں کے گورنروں کو بھجوانے تھے۔

ان تصریحات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت، محل نصاب، مصارف اور شرح سب کچھ خدا تعالیٰ

سے ہے۔ اور اس میں رد و بدل کا خود آپ کو بھی اختیار نہ تھا تو اب کسی دوسرے کو یہ اختیار کیونکر دیا جاسکتا ہے؟

زکوٰۃ کی موجودگی میں دوسرے ٹیکس:

لوگوں کی آمدنی میں غریبوں کا جو حق ہے یا جس سے نظم و نسق حکومت چلایا جا سکتا ہے، وہ حصہ اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے۔ زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے ٹیکس تو کجا، صدقات و خیرات، جو محض غریبوں کی خدمت کی غرض سے لیئے جائیں، قانوناً وصول نہیں کئے جاسکتے۔ اسلام نے جس طرح بغیر حق کے کسی مسلمان کا خون حرام قرار دیا ہے۔ بالکل اسی طرح اس کے مال کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ کیا کسی حکومت کو بلا وجہ اپنی رعایا کے کسی فرد کے خون بہانے کا حق ہے؟ جس طرح یہ خون بہانا حرام ہے، اسی طرح اس کے مال میں تصرف کرنا بھی حرام ہے۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا، اس میں یہ ہدایت واضح طور پر موجود ہے:

"لوگو! تمہارے خون، اموال اور عزت و آبرو ایک دوسرے پر اسی طرح باحرمت ہیں جیسے آج کا (عرفہ کا) دن اور یہ مہینہ (ذوالحجہ) اور یہ شہر (مکہ) تمہارے لئے باحرمت ہے"(بخاری مسلم)

اندریں حالات حکومت کے پاس وہ کونسا حق ہے جس کی بنا پر وہ لوگوں سے زکوٰۃ کے علاوہ کسی اور طریقے سے جبراً کچھ وصول کرے۔ ایک شخص اگر اپنی ذاتی ضرورت کیلئے مکان بنا لیتا ہے تو اس پر پراپرٹی ٹیکس عائد کرنے کی وجہ جواز کیا ہے؟

عجیب اتفاق ہے کہ یہ حق حکومت کو دورانِ جنگ جنگی اخراجات کیلئے ــــ اگر اپیل سے کام نہ چل رہا ہو تو ــــ دیا گیا ہے (جسکی تفصیل جنگی قرضے میں آئیگی) مگر وہاں تو حکومتیں اپنا یہ حق استعمال نہیں کرتیں، اور جہاں حق نہیں ہے وہاں ٹیکس بڑھاتی اور عائد کرتی چلی جاتی ہیں۔۔

سوچنے کی بات ہے کہ اگر حکومت کو اس حق کی اجازت دی جائے تو عوام کے پاس وہ کونسی قوت ہے جو حکومت کی بدعنوانیوں کا محاسبہ کر سکے، اسے راہِ راست پر لا سکے؟ سابقہ حکومت نے یہ حق جس بری طرح استعمال کیا، اس کی مثال تاریخ میں نہ ملے گی۔ لے دے کے آڈیٹر جنرل کا ادارہ ہے جو حکومت کے عائد کردہ ٹیکسوں اور ان کے مصارف کی جانچ پڑتال کرتا ہے، اس کے اختیارات کو انتہائی محدود کر کے اس کا گلا گھونٹ دیا گیا، غلام اسحاق خان سابق گورنر سٹیٹ بینک نے حکومت کو سنبھلنے کی تنبیہ کی تو اسے الگ کر دیا گیا۔ ٹیکسوں کی شرح بڑھا دی گئی، نئے کرنسی نوٹوں کی تعداد میں دوگنا اضافہ کر دیا گیا، بیرونی قرضے دوگنے ہوگئے۔ غرض ہر طرح عوام پر بوجھ لادا گیا اور اشیاء کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ قومی تحویل میں لی گئی صنعتوں کی پیداوار تو بہت کم رہی لیکن اخراجات بہت بڑھ گئے۔ گویا ہر طریق سے ملکی معیشت کو تباہی کے دہانے پہ لا کھڑا کیا گیا۔ اور آج جب عبوری حکومت مل مالکان کو ان کے کارخانے واپس کر رہی ہے تو بہت سے مالکان اس بنا پر کارخانے واپس لینے پر آمادہ نہیں ہو رہے کہ ان کی پیداوار

تو بہت کم ہے لیکن بینک کے سودی قرضوں کے نیچے دب چکے ہیں - اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عوام کو غلط اعداد و شمار پیش کر کے دھوکا دیا جاتا رہا -

کیا ایسی مثال دیکھ لینے کے بعد بھی یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ حکومت کو ایسا حق ملنے کی اسلام سے سند جواز ملنی چاہیئے ؟

شرح زکوٰۃ میں تبدیلی کی ضرورت ؟

شرح زکوٰۃ میں اضافہ یا نئے ٹیکس عائد کرنے کی ضرورت یہ بتائی جاتی ہے کہ آجکل حکومت کے اخراجات بہت بڑھ چکے ہیں - ہم یہ عرض کریں گے کہ :

۱ - اگر حکومت کے اخراجات بڑھ چکے ہیں تو آمدنی کی مدّات بھی بڑھ چکی ہیں - کئی محکمے کاروباری طریق پر چل رہے ہیں جن سے معقول آمدنی متوقع ہوتی ہے - جیسے محکمہ ڈاک و تار ، ریلوے ، انہار وغیرہ -

۲ - بڑھتے ہوئے اخراجات کی بڑی وجہ ہمارا موجودہ نظام ہے - مثلاً عدلیہ کو لیجئے ، جہاں ایک مقدمہ سالہا سال تک چلتا رہتا ہے - اسلامی نظام میں قتل جیسے مقدمہ کیلئے بھی ایک ماہ کا عرصہ درکار ہے - ظاہر ہے کہ عدالتوں میں جہاں ۱۰۰ جج کام کر رہے ہیں وہاں ۵ جج کافی ہوں گے - عدلیہ کے اخراجات کئی گنا کم ہو جائیں گے - اسی طرح پولیس کے اخراجات کم ہوں گے - مدعی اور مدعا علیہ کے جہاں اخراجات اور محنت کم ہوگی ، وہاں ٹریفک کا دباؤ بھی خود بخود کم ہو جائیگا —— صرف عدلیہ کے نظام میں تبدیلی سے ہی اتنے اخراجات کم ہو جائیں گے تو جب پورا اسلامی نظام رائج ہو جائیگا تو اخراجات میں حیرت انگیز حد تک خود بخود کمی واقع ہو جائیگی -

۳ - کئی محکمے جن کی اسلامی نظام میں گنجائش نہیں ، وہ ختم ہو جائیں گے - مثلاً خاندانی منصوبہ بندی اور فحاشی پھیلانے والے ثقافتی مراکز -

۴ - بڑھتے ہوئے اخراجات کی ایک بڑی وجہ یہی حکومت کا ٹیکس بڑھانے اور مزید لگائے جانے کا حق ہے - اسی بنا پر حکومت کئی غیر دانشمندانہ اور غیر ترقیاتی منصوبے شروع کر دیتی ہے - اور اس کا بار اگر ٹیکسوں سے پورا نہ ہو سکے تو حکومت نئے نوٹ چھاپ کر اپنے اخراجات پورے کر لیتی ہے - یہ گویا ایک جبری ٹیکس ہے جسے x a t d e n H بھی کہا جاتا ہے - گویا اسی شہ پر حکومت اخراجات بڑھاتی چلی جاتی ہے -

۵ - حکومت کے انتظامی اخراجات توجہ طلب ہیں - لاتعداد محکمے ، وزیروں اور مشیروں کی فوج ظفر موج ، انکے الاؤنسز اور سفری اخراجات کم کرنے سے کافی بچت کی جا سکتی ہے -

۶ - سرکاری افسران کے سرکاری املاک کے استعمال پر قانونی پابندیاں عائد کرنے سے اخراجات میں کمی کی جا سکتی ہے -

لہٰذا ہمارے خیال میں بیت المال کی آمدنی سے بڑھتے ہوئے اخراجات بخوبی پورے ہوسکتے ہیں۔ اس کیلئے ہم تاریخ سے شواہد پیش کر سکتے ہیں:

حضرت عمرؓ کے عہد میں اسلامی مملکت عہدِ نبوی سے کئی گنا زیادہ پھیل چکی تھی۔ کئی نئے محکمے وجود میں آچکے تھے۔ مثلاً محکمہ مال گزاری، محکمہ فوج، پولیس، جیل اور ڈاک وغیرہ، جو آپ ہی کے عہد میں قائم ہوئے۔ زمانہ کے تقاضے بدل چکے تھے۔ ضروریات اور اخراجات بڑھ چکے تھے۔ لیکن اسی بیت المال کی آمدنی سے حکومت کا نظم ونسق چلتا رہا۔

مسلمانوں نے تقریباً چھ سو سال بڑی شان وشوکت سے حکومت کی۔ مملکتِ اسلامیہ متمدن ترین سلطنت شمار ہوتی تھی۔ زمانہ کے تقاضے بڑھ چکے تھے، ضروریات اور اخراجات میں لگاتار اضافہ ہو رہا تھا۔ لیکن کسی حکومت کو شرح زکوٰۃ میں اضافہ یا نئے ٹیکس عائد کرنے کی ضرورت اور جرأت نہیں ہوئی۔ اگر آج اخراجات بڑھ چکے ہیں تو کیا اسی شرح سے زکوٰۃ اور بیت المال نہیں بڑھتے؟ پھر آخر شرح زکوٰۃ میں تبدیلی کیوں ضروری سمجھی جاتی ہے؟ لہٰذا بڑھتے ہوئے اخراجات کے مرض کے اسباب تلاش کرکے ان اسباب کو دور کرنا چاہیئے۔

بیت المال کی آمدنی:

اب ہم موجودہ وقت میں بیت المال کی آمدنی کا حساب پیش کرتے ہیں۔ اور پھر اس کا سرکاری مالی بجٹ ۱۹۷۶-۷۷ء سے تقابل کرکے دیکھیں گے کہ بڑھتے ہوئے اخراجات کا "بہانہ"، کہاں تک درست ہے؟

بیت المال کی آمدنی کی مدات درج ذیل ہیں:

۱ ۔ سرکاری زمینوں کی فروخت، ان کا لگان اور ٹھیکے۔

۲ ۔ جنگلات سے حاصل ہونے والی پیداواریں + عمارتی لکڑی، ایندھن، بیروزہ، کتھہ اور کئی قسم کے تیل۔

۳ ۔ غیر مسلم لوگوں کی زمین کا لگان یا خراج۔

۴ ۔ بیرونی ممالک سے درآمد ہونے والی اشیاء کا درآمدی محصول۔

۵ ۔ رکاز، قدرتی خزانوں مثلاً معدنیات، تیل، گیس وغیرہ) سے حاصل ہونے والی رائلٹی مالیز یا بصورتِ دیگر انتظامی اخراجات کے بعد باقی سب آمدنی۔

۶ ۔ اموالِ غنیمت، غیر مسلموں سے حاصل شدہ منقولہ وغیر منقولہ جائیداد۔

۷ ۔ لاوارث لوگوں کے اموال اور جائیدادیں۔

۸ ۔ زکوٰۃ۔ جو بیت المال کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور بیت المال کے دیگر ذرائع آمد وخرچ سے بالکل علیحدہ رکھا جاتا ہے۔

اندازہ لگاتے وقت جہاں تک اعداد و شمار اکنامک سروے ۱۹۷۶-۷۷ء سے یا دوسرے ذرائع سے میسر آئے ہیں، ان پر انحصار کیا گیا ہے۔ اور جہاں یہ اعداد و شمار نہیں مل سکے، نہایت محتاط اندازہ سے کام لیا گیا ہے۔

سرکاری غیر منقولہ جائداد یں:

ان میں تمام زرعی زمینیں اور سکنی پلاٹ شامل ہیں۔ پاکستان کا کل رقبہ 19.8 کروڑ ایکڑ ہے۔ اس میں دس کروڑ ایکڑ سے زائد کا سروے ہو چکا ہے۔ 7.5 کروڑ ایکڑ زمین قابلِ کاشت قرار دی گئی ہے۔ لیکن کاشت صرف 4.8 کروڑ ایکڑ ہو رہی ہے۔ بقایا 2.7 کروڑ ایکڑ زمین ابھی تک کاشت نہیں ہو سکی۔ ملکیتِ زمین سے متعلق اسلامی نظریہ یہ ہے کہ اگر ان کے مالک تین سال تک زمین کو آباد نہ کر سکیں تو ان سے بلا معاوضہ یہ زمین حکومت واپس لے سکتی ہے۔ اور ان لوگوں کو (معاوضہ لے کر، ٹھیکہ پر یا بلا معاوضہ) دے سکتی ہے جو اسے کاشت کر سکیں۔ ان تمام صورتوں میں قومی پیداوار نیز بیت المال کی آمدنی میں اضافہ ہوگا۔ ہمارے ملک کی جمعیت محنت کا ۵۰٪ زراعت میں کھپا ہوا ہے۔ اور ۲۰٪ ابھی بیکار یا بیروزگار ہے۔ گویا ایک طرف انتہائی بے کاری ہے اور دوسری طرف کروڑوں ایکڑ زمین غیر کاشتہ پڑی ہے۔ یہ زمینیں اگر ایسے زمینداروں کو دی جائیں جو خود ٹیوب ویل ٹریکٹر وغیرہ کا بندوبست کر سکیں یا حکومت بیکار لوگوں کیلئے ان آلاتِ زرعی کی فراہمی میں ممکن امداد کرے تو باہمی کوشش سے قومی پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ہو سکتا ہے۔

اس مد سے بیت المال کو درج ذیل طریقوں سے آمدنی ہو سکتی ہے:

۱۔ غیر مزروعہ زمینوں کی قیمت فروخت یا ان کے ٹھیکے۔

۲۔ کاشت شدہ زمینوں کی پیداوار پر زکوٰۃ۔

۳۔ سکنی پلاٹوں کی فروخت۔

ہم سرِ دست ان سب مدات کی آمدنی، زرعی اجناس کی پیداوار کا نصف یعنی ایک ارب ۵ کروڑ فرض کر لیتے ہیں۔

غیر مسلموں کی زمینیں:

پاکستان میں غیر مسلم آبادی صرف 2.8٪ ہے۔ لہٰذا اس مد سے آمدنی کو متفرقات یا دیگر ذرائع میں شمار کیا جائیگا۔

درآمدی محصول:

پاکستان کو ۱۹۷۶-۷۷ء میں کسٹم سے کل ۶ ارب ایک کروڑ بچاسی لاکھ روپے آمدنی ہوئی۔ جبکہ اسی سال درآمدات کی مالیت ۱۶ ارب ۳۲ کروڑ۔ اور برآمدات کی مالیت صرف ۷ ارب ۹۶ کروڑ ۵۰ لاکھ روپے ہے۔ گویا درآمدات دگنے سے زیادہ مالیت کی تھیں۔ اسلامی نظامِ معیشت میں محصول صرف درآمدات پر لگے گا۔

یہ تو ظاہر ہے کہ درآمدات پر محصول کی شرح بہت زیادہ ہے اور برآمدات پر نسبتاً بہت کم۔ لہٰذا اس مجموعی آمدنی کا ۴/۵ صرف درآمدات کا مرہون ہے۔ اس طرح درآمدات سے آمدنی ۴ ارب ۸۱ کروڑ ۸۴ لاکھ روپے بنتی ہے۔

قدرتی خزانے:

دفینے، معدنیات یا قدرتی خزانے اگر نجی ملکیت میں ہوں تو ان کا ۱/۴ حصہ زکوٰۃ ہے۔ اور جب یہ سرکاری ملکیت میں ہوں تو سب کچھ بیت المال کا ہے۔ ہمارے ہاں یہ سب خزانے سرکاری ملکیت میں ہیں۔ حکومت اگر انہیں رائلٹی پر دے تو بھی شرح ہونی چاہیئے۔ اور اگر خود اپنی تحویل میں رکھے تو انتظامی اخراجات کے بعد بقایا سب بیت المال کا حصہ ہے۔

(ا) ۱۹۷۶، ۷۷ء کے مطابق معدنی پیداوار ایک ارب ۸ کروڑ ۷۰ لاکھ روپیہ ہے۔ یہ کل ستر معدنیات کی آمدنی ہے۔ جبکہ اس وقت پاکستان منرل ڈیویلپمنٹ کارپوریشن کی سرگرمیوں سے ۴۰ معدنیات پر کام ہو رہا ہے اور نئے ذخائر بھی دریافت ہو رہے ہیں۔ ان تمام ذرائع کے باوجود ہم اس پیداوار کا صرف نصف حصہ بیت المال کا حق نکالتے ہیں جو ۵۴ کروڑ بنتا ہے۔

(ب) تیل کی پیداوار ۱۹۷۶، ۷۷ء میں ۴۵۲ ہزار ٹن تھی۔ اس معدنی مواد سے تارکول، موم، فرنس آئل، کروڈ آئل مٹی کا تیل، ڈیزل اور پٹرول وغیرہ سب کچھ بنتا ہے۔ اگر ہم اس مواد کی قیمت اندازاً ایک ہزار روپے فی ٹن لگائیں اور اس آمدنی کا نصف حصہ بیت المال کا حق سمجھیں تو یہ ۲۲۲ کروڑ روپیہ بنتا ہے۔

(ج) گیس ۱۹۵۲ء میں دریافت ہوئی۔ تو گیس کے ان ذخائر کا (۶ لاکھ) کروڑ مکعب فٹ اندازہ کیا گیا تھا جو ۲۱ کروڑ ۵۴ لاکھ ٹن کوئلہ کی حرارتی قوت کے برابر ہے۔ سوئی گیس کا استعمال روز بروز بڑھ رہا ہے ۱۹۵۶ء میں صرف ۶۰۰ کروڑ مکعب فٹ استعمال ہوئی تھی جبکہ ۱۹۷۶-۷۷ء میں ۱۹۲۰۰ کروڑ مکعب فٹ تک استعمال ہو رہی ہے گویا ۲۲ سال کے دوران اس کے مصارف ۳۲ گنا بڑھ گئے ہیں، آئندہ ہر دم بڑھ رہے ہیں۔

ایک ہزار مکعب فٹ کی قیمت ۹/۴۰ روپے سے ۱۲/- روپے تک ہے۔ اگر ہم موجودہ سال میں ۲۵۰۰۰ کروڑ مکعب فٹ اور اوسط قیمت ۱۰/۸۰ روپے فرض کریں تو کل قیمت ۲ ارب ۷۰ کروڑ بنتی ہے جس کا نصف بیت المال کا ایک ارب ۳۵ کروڑ ہوگا۔

جنگلات:

جنگلات سے ہمیں ۱۹۷۶-۷۷ء میں ۱۵ کروڑ ۶۰ لاکھ روپے وصول ہوئے۔ اس کے انتظامی اخراجات بہت کم برائے نام ہیں۔ تاہم ان کا بھی نصف شمار کیا جائے تو بیت المال کا حصہ ۷ کروڑ ۸۰ لاکھ بنتا ہے۔

اموالِ غنیمت وغیرہ :

اس مد سے عام حالت میں کچھ وصولی نہیں ہوتی۔

لاوارث لوگوں کے اموال :

یہ بھی برائے نام ہوتے ہیں۔ اس لئے غیر مسلم کی زمینوں کی طرح یہ بھی متفرقات میں شامل ہوگا۔

زکوٰۃ

زکوٰۃ کا آمد و خرچ بیت المال کے دوسرے حسابات سے علیحدہ رکھا جاتا ہے۔ زکوٰۃ کا حساب مندرجہ ذیل شمار ہوگا۔

(۱) نقدی اور بچت کی سب صورتیں (۲) زرعی اجناس (۳) مصنوعات (۴) مویشی (۵) اموالِ تجارت

۱۔ بچت :

آج کل بچت مندرجہ ذیل صورتوں میں پائی جاتی ہے :

(ا) نقد رقوم

(ب) سونا، چاندی اور ان کے زیورات۔

(ج) بینک میں جمع شدہ رقوم میعادی اور عندالطلب۔ ڈاکخانہ کے سیونگز ڈیپازٹ۔

(د) مشترکہ سرمائے کی کمپنیوں کے حصص۔

(ہ) نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ یونٹس

(و) بیمہ کمپنیوں کو اداشدہ رقوم۔

(ز) مختلف قسم کے سرکاری تمسکات۔

ان سب مدات کا حساب اس طرح ہوگا :

		لاکھ	کروڑ	ارب
(ا) نقد ۳۱/۱۲/۷۶ کو زیر گردش نوٹوں کی کل مالیت	=	۲۹	۸۵	۱۳
۳۱/۱۲/۷۶ کو نقد رقوم جو سٹیٹ بینک یا دوسرے بنکوں میں جمع تھیں	=	۱۰	۱۸	۴
عام افراد کی تحویل میں	=	۱۹	۶۷	۹

اس رقم کا بیشتر حصہ ایسی رقوم ہوتی ہیں جو لوگ ٹیکس سے بچنے کے لئے بطور کالا دھن، گھروں میں رکھتے ہیں۔ اور کچھ حصہ روزمرہ کی ضروریات یا لین دین کیلئے۔ روزمرہ کی ضروریات کیلئے زیرِ گردش کرنسی کا ۱/۱۰ شمار کرنا چاہئے

جو ایک ارب ۳۸ کروڑ ۵۳ لاکھ بنتا ہے۔ اور باقی ۸ ارب ۲۸ کروڑ ۶۷ لاکھ بچتا ہے۔ ان میں کچھ لوگ غیر مسلم بھی ہوں گے اور کچھ ایسے جو صاحبِ نصاب نہیں ہیں۔ ہم ۸ ارب پر زکوٰۃ کا حساب شمار کریں تو یہ ۲½ % کے حساب سے ۲۰ کروڑ بنتی ہے۔

(ب) سونا چاندی اور زیورات وغیرہ:

اس وقت پاکستان کی کل آبادی تقریباً ۷½ کروڑ ہے۔ ۵ افراد اوسطاً فی کنبہ کے حساب سے ۱½ کروڑ کنبے آباد ہیں۔ ایک کنبہ میں میاں بیوی اور تین بچے فرض کئے جاتے ہیں۔ پاکستان میں بچوں کی شادیوں پر دل کھول کر زیورات استعمال کئے جاتے ہیں۔ دیہات میں یہ رجحان اور بھی زیادہ ہے اور امیر گھرانوں میں تو بیس تولہ سے لیکر ۴۰ تولہ تک کی بھی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ تاہم احتیاطاً ۳ تولہ فی شادی کے حساب سے ۹ تولہ فی کنبہ فرض کیا جائے تو ۱۳½ کروڑ تولہ سونا بنتا ہے۔ یہ سونا کچھ لوگ بوقتِ ضرورت بیچ بھی دیتے ہیں۔ کچھ لوگ ادھر ادھر سے عاریتہً لے کر بھی کام چلا لیتے ہیں۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو صاحبِ نصاب نہ ہوں گے یا کچھ غیر مسلم بھی ہوں گے۔ لہٰذا ہم اس کا نصف یعنی ۶¾ کروڑ تولہ سونا کا حساب لگائیں گے۔ اور چاندی کے زیورات یا ہیرے وغیرہ احتیاطاً چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر ۶۰۰ روپیہ فی تولہ یعنی فی تولہ زکوٰۃ ۱۵/- روپے ہو تو کل زکوٰۃ کی رقم ایک ارب، ایک کروڑ ۲۵ لاکھ ہو گی۔

		لاکھ	کروڑ	ارب
(ج) ۳۱/۱۲/۷۶ کو تمام بنکوں میں جمع شدہ رقوم میعادی	=	۷۷	۱۱	۱۷
عندالطلب رقوم	=	۹۳	۱۱	۲۰
ڈاکخانہ کے ڈیپازٹ	=	۴۷	۳۶	۱
(د) تجارتی حصص	=	۵۳	۶۰	۴
(ہ) نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ یونٹس	=	۹۸	۴۸	۶
(و) بیمہ کمپنیوں میں اداشدہ رقوم	=	۰۰	۰۰	۴
(ز) مختلف قسم کے سرکاری تمسکات، انعامی بانڈ وغیرہ	=	۲۴	۷۱	۱
کل میزان	=	۹۲	۴۰	۵۵

ان مدات میں عندالطلب رقوم میں تقریباً نصف قابلِ زکوٰۃ نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں کچھ صاحبِ نصاب بھی نہ ہوں گے۔ لہٰذا یہ رقوم صرف ۴۰ ارب شمار کی جائیں گی۔ جن کی زکوٰۃ ایک ارب بنے گی۔

۲۔ زرعی پیداوار: ہماری کل کاشتہ زمین کا دو تہائی حصہ مصنوعی آبپاشی یعنی نہروں اور ٹیوب ویلوں سے سیراب

ہوتا ہے اور ایک تہائی بارانی ہے (کتاب معاشیات حصہ دوم از پروفیسر منظور علی شیخ صدر شعبہ معاشیات ایم۔ اے۔ او کالج لاہور) ۱۹۷۶ - ۷۷ء کے مطابق ہماری اہم اجناس کی پیداوار ۲۲ ارب ۷۵ کروڑ روپے اور غیر اہم اجناس کی ۷ ارب ۱۲ کروڑ ۵۰ لاکھ روپے تھی - یعنی کل ۲۹ ارب ۸۷ کروڑ ۵۰ لاکھ روپے کی فروخت ہوئی - یہ وہ پیداوار ہے جو زمیندار اپنی ضروریات کیلئے اور گاؤں والوں کی ہنگامی ضروریات پوری کرنے کے بعد فروخت کرتے ہیں - تاہم اسی پیداوار کا حساب کیا جائیگا - نہری زمین پر ۵٪ اور بارانی پر ۱۰٪ زکوٰۃ عائد ہوگی - اور چونکہ بارانی زمین کاشت کا رقبہ نصف ہے لہٰذا زکوٰۃ برابر ہوگی -

نہری زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ (کل پیداوار کا ۲/۳) = ۲۹۸۷۵۰ × ۲/۳ × ۵/۱۰۰ = تقریباً ایک ارب روپیہ

بارانی ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ (۱/۳) = ۲۹۸۷۵۰ × ۱/۳ × ۱۰/۱۰۰ = ۔۔ ۔۔ ۔۔

خشک یا خشک ہو جانے والے پھلوں مثلاً اخروٹ، بادام، کھجور، انگور، خوبانی وغیرہ کی زکوٰۃ کے متعلق ہمارے پاس اعداد و شمار موجود نہیں - لہٰذا اس کا بیسواں حصہ فرض کر لیں تو کل زکوٰۃ ۲ ارب ۱۰ کروڑ ہوئی -

۳- مویشی:

زکوٰۃ اونٹ، بھیڑ، بکری، گائے، بھینس وغیرہ پر عائد ہوتی ہے - ہمارے ہاں اونٹ بہت کم تعداد میں اور صرف باربرداری کیلئے پالا جاتا ہے، جس پر زکوٰۃ نہیں - اس کی جگہ مچھلی فارم اور ڈیری فارم نے لے لی ہے - ۱۹۷۶ - ۷۷ء کے مطابق مویشی سے ۱۳ ارب ۵ کروڑ ۹۰ لاکھ روپے اور مچھلی سے ۱۵ کروڑ ۲۰ لاکھ روپے، کل ۱۴ ارب ۲ کروڑ ۱۰ لاکھ روپے وصول ہوئے - ۲½٪ اوسطاً زکوٰۃ کے حساب سے کل زکوٰۃ ۳۵ کروڑ ۵ لاکھ بنے گی -

۴- مصنوعات:

مصنوعات پر زکوٰۃ زرعی پیداوار کے حساب سے ۵٪ عائد ہوگی - کیونکہ فیکٹری بمنزلہ کھیت ہے جس کا بیشتر سرمایہ عمارت اور مشینری پر صرف ہو جاتا ہے جس پر زکوٰۃ نہیں - نیز کارخانے ہر وقت مال تیار کرتے اور فروخت کرتے جاتے ہیں - سال ہی سال مال کی کھپت ہوتی جاتی ہے - اس لئے زکوٰۃ سالانہ مجموعی پیداوار پر ۵٪ کے حساب سے عائد ہوگی - ۱۹۷۶ - ۷۷ء کے مطابق ہماری مصنوعات ۲۰ ارب ۴۷ کروڑ ۴۰ لاکھ روپیہ کی تھیں - جن کی زکوٰۃ ایک ارب ۳ کروڑ ۷۲ لاکھ بنے گی -

۵- اموالِ تجارت:

اموالِ تجارت کیا ہیں؟ بازار کی دکانوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ زمین سے نکلتا یا اگتا ہے، یا فیکٹریوں میں تیار ہوتا ہے، وہ جب بازار میں برائے فروخت آجاتا ہے تو اموالِ تجارت بن جاتا ہے -

کچھ اشیاء ملک میں درآمد کی جاتی ہیں تو کچھ چلی بھی جاتی ہیں۔ لہٰذا اموال یہ ہوں گے۔

زرعی پیداوار+جنگلات+معادن+تیل+(درآمدات - برآمدات) +فیکٹریوں کی کارکردگی۔

پھل، سبزی، گوشت، دودھ، دہی کی دوکانیں، چمڑے اور اون کی دوکانیں، کپڑے کی دکانیں اور مکانات، کاروباری دفاتر، مثلاً پریس اخبار وغیرہ۔ ان سب کو ہم "متفرقات یا دیگر ذرائع" میں شمار کرینگے اور ان سب کی زکوٰۃ ہم مویشی کی مالیت کے برابر فرض کر لیتے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان اشیاء پر زکوٰۃ تو پہلے بھی لگ چکی ہے، دوبارہ بھی زکوٰۃ لگے گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اموال پر ایک سے زیادہ بار بھی زکوٰۃ لگ سکتی ہے۔ مثلاً کپاس پہلے برائے فروخت منڈی میں آئے گی، پھر کسی ٹیکسٹائل مل میں کپڑا تیار ہوگا، پھر وہ تھوک فروش کے پاس پہنچے گا، پھر پرچون فروش کے پاس اور آخر میں صارف کے پاس۔ ان سب مرحلوں میں سب سے آخری مرحلہ پر زکوٰۃ نہیں ہے، باقی سب مراحل پر یعنی زمیندار، صنعت کار، تھوک فروش، پرچون فروش سب جگہ محلِ نصاب ہیں۔ لہٰذا ان چیزوں پر زکوٰۃ دوبار یا بعض اوقات تین بار بھی لگ سکتی ہے۔ ٹیکسوں کے نظام میں بھی یہ چیز موجود ہے۔ ایکسائز اور سیلز ٹیکس اکٹھے لگ جاتے ہیں۔ انکم ٹیکس، پراپرٹی ٹیکس اور دولت ٹیکس سب ایک شخص سے وصول کئے جاتے ہیں۔

اموالِ تجارت کا حساب یہ ہے:

	لاکھ	کروڑ	ارب		لاکھ	کروڑ	ارب
زرعی پیداوار	۴۰	۷۴	۲۰	تیل	۳۰	۴۵	
جنگلات۔	۶۰	۱۵		درآمدات	۰۶	۳۲	۱۶
معدنیات	۷۰	۰۸	۱	متفرقات یا دیگر ذرائع	۱۰	۰۲	۱۴
کل میزان =	۱۶	۷۸	۵۳	نفی برآمدات =	۵۰	۹۶	۷
اصل اموالِ تجارت =	۶۶	۸۱	۴۴				

پر ۲½% کے حساب سے زکوٰۃ ایک ارب ۱۲ کروڑ ۴۰ لاکھ روپے ہوگی

<u>زکوٰۃ کی مجموعی آمدنی:</u>

	لاکھ	کروڑ	ارب
۱۔ بچتیں، نقد	۰۰	۲۰	
سونا	۲۵	۰۱	۱
جمع شدہ رقوم اور تمسکات	۰۰	۰۰	۱
۲۔ زرعی اجناس، پھل	۰۰	۱۰	۲
۳۔ مویشی	۰۰	۳۵	

۴۔ مصنوعات =	۱	۰۳	۷۲
۵۔ اموالِ تجارت =	۱	۱۲	۰۴
میزان =	۶	۸۲	۰۱

بیت المال کی کل آمدنی :

۱۔ سرکاری جائیدادیں	۱	۰۵	۰۰
۲۔ درآمدی محصول	۴	۸۱	۴۸
۳۔ قدرتی خزانے، معدنیات		۵۴	۰۰
تیل		۲۲	۵۰
گیس	۱	۳۵	۰۰
۴۔ جنگلات		۷	۸۰
۵۔ زکوٰۃ	۶	۸۳	۰۶
۶۔ دیگر ذرائع آمدنی خمس ۲۰٪		۲۵	۰۰
میزان	۱۵	۱۳	۸۴

وفاقی مالی بجٹ ۱۹۷۶-۷۷ء اور زکوٰۃ کے بجٹ کا تقابل

وفاقی حکومت کا مالی بجٹ برائے ۱۹۷۶-۷۷ء :

آمدنی	(لاکھ روپے)	اخراجات	
ٹیکسوں سے آمدنی :		۱۔ محاصل کی وصولی پر اخراجات	۱۰۱۶
۱۔ کسٹمز	۶۱۰۱۸۵	۲۔ سود کی ادائیگی	۳۵۳۰۹
۲۔ مرکزی ایکسائز ڈیوٹی	۴۸۶۰۰	۳۔ نظم و نسق عامہ :	
۳۔ انکم ٹیکس اور کارپوریشن ٹیکس	۵۱۵۰	نظم و نسق عامہ	۵۰۹۷
۴۔ سیلز ٹیکس	۲۴۴۲	سرحدی علاقہ	۶۳۴۷
۵۔ دوسرے ذرائع ٹیکس	۱۰۶۵۸	غیر ملکی معاملات	۱۹۷۷
		تعلیم	۷۳۶
میزان	۱۲۸۰۲۵	دوسرے فلاح و بہبود کے محکمے	۲۵۱۰

آمدنی	(لاکھ روپیہ)		اخراجات		
دیگر ذرائع سے آمدنی:			دوسرے انتظامی محکمے	۴۴۴	
۱۔ پوسٹ آفس (خسارہ) ۲۳۹۔			میزان	۲۲۴۷۵	۲۲۴۷۵
۲۔ تار اور ٹیلیفون	۲۶۶۲		۴۔ کرنسی اور ٹکسال		۳۳۷
۳۔ سود کی وصولیاں	۲۴۴۸۲		۵۔ سول ورکس اور مرکزی سڑکوں کا فنڈ		۷۷۹
۴۔ نظم و نسق عامہ	۹۱۴		۶۔ متفرقات: پنشن، سٹیشنری، چھپائی: ۶۵۷		
۵۔ ٹکسال اور کرنسی	۳۶۹۱		آبادکاری، بحالیات =	—	
۶۔ متفرقات	۴۷۸۰		متفرق اخراجات =	۱۵۲۹۴	
۷۔ دفاعی خدمات	۳۸۲۶			۱۵۹۵۱	۱۵۹۵۱
۸۔ غیر متوقع آمدنی	۳۶۸۴		۷۔ دفاعی خدمات		۷۹۸۷۰
۹۔ دوسرے ذرائع	۱۶۷		۸۔ وفاقی اور صوبائی حکومتوں کا لین دین		۵۲۶۸
	۴۲۹۶۷	۴۲۹۶۷	۹۔ ترقیاتی اخراجات		۲۴۸۶۹
کل میزان		۱۷-۹۹۲	۱۰۔ دوسرے اخراجات		۴۷۲
= ۱۷ ارب ۹ کروڑ ۹۲ لاکھ روپیہ			کل میزان		۱۸۶۳۴۱
خسارہ: ایک ارب ۵۳ کروڑ ۴۹ لاکھ روپیہ			= ۱۸ ارب ۶۳ کروڑ ۴۱ لاکھ روپیہ		

بیت المال کا بجٹ:

بیت المال کا بجٹ تیار کرنے کیلئے مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھا جائیگا:

۱۔ سرکاری بجٹ میں آمدنی و خرچ، دونوں طرف سے سود کی رقوم حذف کردی جائینگی

۲۔ سول نظم و نسق کے اخراجات پہلے بیان شدہ وجوہات کی بنا پر ۱/۳ اخراجات کم کردیے جائیں گے۔

۳۔ بیت المال کے دیگر ذرائع آمدنی یعنی دورِ حاضر کے منفعت بخش محکمے مثلاً ڈاک، تار، ٹکسال وغیرہ حسب سرکاری بجٹ شمار کیے گئے ہیں۔ دفاعی اخراجات بھی جوں کے توں شمار کرلیے گئے ہیں۔

۴۔ بیت المال کے شعبہ زکوٰۃ کی آمدنی کا کم از کم نصف حصہ غریبوں کی بنیادی ضروریات کیلئے وقف ہوگا۔

آمدنی	(لاکھ روپیہ)	اخراجات	
۱۔ حسب تفصیل صفحات سابقہ	۱۵۱۳۸۴	۱۔ امداد فنڈ	۳۳۶۰۳
۲۔ محکموں کی آمدنیاں وغیرہ (دیگر ذرائع، سود)۔ ۴۲۹۶۷-۲۴۴۸۲	۱۸۴۸۵	۲۔ سول نظم و نسق (۲۲۴۷۵ کا ۲/۳)	۱۴۹۸۳
میزان	۱۶۹۸۶۹	۳۔ باقی تمام اخراجات مع دفاعی اخراجات	۱۲۸۵۵۷
		میزان	۱۷۷۱۴۳

خسارہ ۰۰ ۲، کروڑ ۴۰، لاکھ روپے

مندرجہ بالا تقابل سے معلوم ہوا کہ بیت المال کا میزانیہ نسبتاً بہتر رہے گا جبکہ نہ تو زکوٰۃ کی شرح میں اضافہ کی نوبت پیش آئی ہے اور نہ ہی کوئی مزید ٹیکس عائد کرنے کی!

سرکاری مالیات کا جائزہ:

سرکاری مالیات اور بیت المال کے میزانیہ سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں:

۱- ٹیکسوں کی آمدنی حکومت کی کل آمدنی کا ۵ء ۷۰٪ ہے اور دوسرے ذرائع سے صرف ۲۵٪ آمدنی ہوئی جس کا ۶۰٪ سود کی آمدنی ہے۔

۲- ٹیکسوں کی آمدنی میں سے بالواسطہ ٹیکسوں کی آمدنی ۸۷ء۲٪ ہے اور براہِ راست ٹیکسوں کی صرف ۱۲ء۸٪

۳- دفاعی اخراجات کل اخراجات کا ۳۴٪ ہیں۔ سود ۲۰٪ ترقیاتی اخراجات ۲۱٪ محکموں کے اخراجات ۱۲٪ اور دوسرے تمام متفرق اخراجات ۱۲٪ ہیں۔

۴- سود کی ادائیگی اس کی آمدنی سے ایک ارب ۸ کروڑ ۱۷ لاکھ روپیہ زیادہ ہے جو کہ آمدنی کا تقریباً ۱/۲ ۶٪ بنتا ہے۔

بیت المال کے نظام میں:

۱- زکوٰۃ کل آمدنی کا ۸ء۴۴٪ ہے۔ باقی آمدنی دیگر ذرائع سے ۲ء۵۵٪ ہوئی۔

۲- زکوٰۃ میں سب سے زیادہ آمدنی کھیتوں سے ہوتی ہے، پھر زرعی پیداوار سے، پھر اموالِ تجارت سے پھر مصنوعات سے

۳- بیت المال کے دیگر ذرائع میں سب سے زیادہ آمدنی درآمدی محصول سے ہوئی جو کل آمدنی کا ۴۲٪ اور دیگر ذرائع آمدنی کا ۵۸٪ ہے۔

ہم نے یہ بجٹ وفاقی حکومت کا پیش کیا ہے۔ صوبائی حکومتوں کے ذرائع آمدنی یہ ہیں:

۱- ایکسائز ڈیوٹی، شراب کی تیاری اور فروخت پر محصول اور لائسنس، افیون کی فروخت پر لائسنس اور افیون کے منافع

۲- عام ٹیکس مثلاً پراپرٹی ٹیکس، تفریحی ٹیکس، پٹرول ٹیکس، بڑے ہوٹلوں کے ٹیکس اور کئی دیگر ٹیکس۔

۳- رجسٹریشن، موٹر گاڑیوں پر محصولات، ڈرائیوری لائسنس وغیرہ۔

۴- فیسیں مثلاً تعلیمی فیس، کورٹ فیس، اسٹامپوں کی فروخت۔

۵- سرکاری جائیدادیں، جنگلات، آبیانہ، مالیہ۔ وغیرہ، اسی طرح ان کے اخراجات بھی الگ ہوتے ہیں۔ آمد و خرچ دونوں میں سود شامل ہوتا ہے۔

ایک اسلامی نظامِ معیشت میں ان تمام آمد و خرچ کی مدات کا از سرِ نو جائزہ لے کر مناسب اقدامات کئے جائینگے۔

(بقیہ بر صدا)